© rasailojaraid.com

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بی بی سی، وائس آف امریکہ، ریڈیو ماسکو اور اب سیٹلائٹ دور میں مختلف ٹیلی وژن ادارے تیسری دُنیا (عالمِ اسلام جس کا ایک حصّہ ہے) میں جانے پہچانے نام ہیں۔ یہ مغربی نشریاتی ادارے دُنیا کے مختلف خطّوں/ممالک کی معاصر سیاست پر اُن ہی کی زبانوں میں خصوصی پروگرام پیش کرتے ہیں جن میں خبریں اور سیاسی تجزیے شامل ہوتے ہیں۔ اِن اداروں کے اپنے بیانات کے مطابق اُنہیں اپنے سامعین کی جانب سے روزانہ سیکڑوں خطوط موصول ہوتے ہیں۔

نشریاتی اداروں کے پہلو بہ پہلو اکانومسٹ، گارجین، ٹائم، نیوز ویک جیسے جرائد کے عالمی ایڈیشنوں میں دُنیا کے مختلف خطّوں کی ریاست و سیاست پر نظر رکھنے والے اہلِ قلم اور ان جرائد کی جانب سے دُنیا کے متعدّد دارالحکومتوں میں مقیم اُن کے نامہ نگاروں کی خصوصی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔

شاید یہ کہنا چنداں غلط نہ ہوگا کہ تیسری دُنیا کے اکثر اہلِ سیاست اور پالیسی سازوں کی سوچ پر مغرب کے اِن ذرائع ابلاغ کی چھاپ نمایاں ہے۔ اور عام آدمی ملکی ذرائع ابلاغ سے زیادہ بی بی سی وغیرہ کو اہمیت دیتا ہے۔

ذرائع ابلاغ کی دُنیا سے ہٹ کر دیکھا جائے تو مغرب کی دانش گاہیں اور تحقیقی ادارے دُنیا بھر کی قوموں، ملکوں اور اِن کے متنوع گروہوں کی تاریخ، سیاست، معاشرت، معیشت، ثقافت اور مذہب پر پوری دل جمعی اور ارتکازِ فکر کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور بلامبالغہ اِن اداروں نے وہ کچھ معلومات جمع کر رکھی ہیں جو زیرِ تحقیق ملکوں یا قوموں کے اپنے پاس نہیں ہیں۔ اِن دانش گاہوں اور تحقیقی اداروں کی تحقیق کے نتائج سے بالادست دُنیا کے سیاسی اور اقتصادی ادارے استفادہ کرتے ہیں۔

مغربی دُنیا کے ذرائع ابلاغ کے مذکورہ بالا عالمی اندازِ کارکردگی کے برعکس خود مغربی دُنیا (اور بالخصوص ریاست ہائے متحدہ امریکہ) میں مقامی اخبارات و جرائد اور نشریاتی ادارے دوسرے ممالک کی معاصر سیاست کے بارے میں کبھی کبھار ہی کچھ لکھتے یا کہتے ہیں، مگر جب مغربی دُنیا کے مادی مفادات کسی خطّے میں متاثر ہوتے ہیں یا مغربی دُنیا کی غالب آئیڈیالوجی، سیکولرزم کو کہیں خطرہ لاحق ہوتا ہے تو مقامی اخبارات و جرائد اور نشریاتی ادارے اِن تبدیلیوں کا نوٹس لیتے ہیں۔ ابھی چند برس پہلے کی بات ہے کہ دُنیا کے پس ماندہ ترین ملکوں میں سے ایک افغانستان مغربی ذرائع ابلاغ کا دل پسند موضوع تھا۔ کمیونزم مخالف جدوجہد اور افغان جہاد کے حوالے سے کتنا کچھ نہیں لکھا گیا اور کیا کچھ نہیں کہا گیا، مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب روسی فوجیں افغانستان سے واپس چلی گئیں اور کمیونزم کی طاقت ٹوٹ گئی تو افغانستان اخبارات کے صفحات اور نشریاتی اداروں کے پروگراموں سے غائب ہو گیا۔ اور اگر اب کبھی افغانستان کا ذکر آتا ہے تو وہ تصاویر جو کمیونزم مخالف جدوجہد کے حوالے سے بہت نمایاں کی جاتی تھیں اور افغان جذبہ آزادی کی علامت تھیں، اب ابھرتی ہوئی "مسلم بنیاد پرستی" کے اظہار کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

وطنِ عزیز کے بارے میں مغربی ذرائع ابلاغ کا رویّہ ان کے مندرجہ بالا "طرزِ کار" کے عین مطابق ہے۔ بالعموم وطنِ عزیز کے بارے میں ڈھونڈے ہی سے کوئی خبر نظر آتی ہے، مگر جب بات سیکولرزم کی ہوتی ہے تو رپورٹیں چھپنے لگتی ہیں۔ حال ہی میں "ایک اخبار "فلاڈلفیا انکوائرر" نے "قانون توہینِ رسالت" کے خلاف پاکستان کے سیکولر ذہن کی عکاسی کرتے ہوئے کالم شائع کیا ہے۔ کالم میں جہاں اقلیتوں کو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ وہیں یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ "گزشتہ ماہ پشاور میں دو شیعہ مسلمانوں کو اس بناء پر سزائے موت دی گئی کہ وہ حضرت محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی ایک ڈرائنگ کی فوٹو کاپی بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔" (فلاڈلفیا انکوائرر۔ ۱۱ فروری ۱۹۹۵ء)

الزام میں کتنی سچائی ہے؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا اور ابھی اعلیٰ تر عدالتوں کا فیصلہ سامنے نہیں آیا، تاہم اِس سے کم از کم یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ "قانون توہینِ رسالت" جتنا کسی غیر مسلم کے خلاف ہے، اتنا ہی مسلمان کے خلاف بھی ہے، مگر کالم نگار نے تعجّب انگیز رویّہ اختیار کیا ہے۔ اُس کے خیال میں چوں کہ شیعہ آبادی پاکستان میں اپنے سُنی بھائیوں سے تعداد میں کم ہے، اس لیے پشاور میں اس کے دو افراد کو سزا دی گئی ہے۔ کالم نگار نے اس پہلو پر کوئی توجہ نہیں دی کہ تحفّظ ناموسِ رسالت ﷺ کے حوالے سے اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے نقطۂ نظر میں کوئی فرق نہیں۔ ماضیِ قریب میں سلمان رشدی کی دل آزار کتاب کے حوالے سے مسلمان اہلِ علم نے جس ردِ عمل کا اظہار کیا تھا، اِس سے معاملات کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

وطنِ عزیز کی سیکولر لابی اور بعض مسیحی دوست اسلام کے حوالے سے نافذ شدہ قوانین کے خلاف اپنی مہم میں جو تاثر دیتے ہیں کہ اقلیتوں کو تحفّظ حاصل نہیں ہے، یہ حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ مسلمان اور مسیحی ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ بازار میں گاہک اور دوکاندار ہیں، کرایہ دار اور مالک مکان ہیں، دفاتر میں رفقائے کار ہیں اور مذہبی اختلافِ نظر کے باوجود سماجی طور پر ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی میں شریک ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کی اسلامی سوچ کا نتیجہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ افہام و تفہیم کو فروغ دیا جائے اور احتجاجی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، اور یہ کام مسلمان علماء اور مسیحی بالغ نظر رہنما بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com